JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 02, January –June 2021

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

دعوت و تبلیغ میں مدعو کی اہمیت

The importance of Mad‘ū (Invited) In Preaching

Dr. Farida Yousuf*
Associate Professor, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan.
Dr. Kalsoom Paracha*
Chair Person, The Women University, Multann.

Abstract

In present era one of the most important department is preaching. Islam allows to spread its message to enlighten human beings and this process is continued from its early period till today. Yet it can be said that the desired results are still far away and one of the reasons of this failure is the way this message is being spread. Basically, preaching of enjoining good and forbidding wrong is the responsibility of governments and states. Yet due to the neglecting attitude of governments and states, different groups are preaching these teachings relying on their own resources and manpower. There are three basic elements of preaching i.e, D‘awat, Dā‘ī and Mad‘ū. The present research focuses on Mad‘ū because the desired results cannot be attained by neglecting the psychology of Mad‘ū. That is why there is a need to revise not only the curriculum but also the methodology of preaching (by these groups). And these changes should be made on the basis of mental ability, social background, psychology and financial status of Mad‘ū. This article examines the division and rights of Mad‘ū so the objectives of preaching and enlightenment can be achieved as it should be.

Keywords: *preaching, islam, Mad‘ū, Dā‘ī.*

دعوت یا تبلیغ کے فریضہ کے بنیادی عناصر دعوت، داعی اور مدعو یا مخاطب ہیں۔ اللہ کی طرف بلانا یا اللہ کا پیغام پہنچانا دعوت و تبلیغ کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم و ہدایت انسان کو زندگی گزارنے کے لئے دی ہے اس کی طرف بلانا اور اس کو اس غرض سے لوگوں تک پہنچانا کہ وہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالیں دعوت و تبلیغ کہلائے گا۔ اللہ کی ہدایت اور تعلیم کو اگر ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو وہ دینِ حق یا دینِ اسلام ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَام﴾[1]

CC BY

دعوت کا موضوع دین اسلام ہے۔دعوت و تبلیغ بنیادی طور پر امت کی ذمہ داری ہے۔امت اپنے معاملات حکومت کے ذریعے چلاتی ہے۔ لہٰذا دعوت حکومت کے فرائض میں ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام اختیار کا طالب ہے۔ مسلم حکومتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ قائم رہا۔ حکومتوں کے زوال کے بعد یہ کام امت کے صالحین نے سنبھالا جس میں خاص طور پر مذہبی راہنما اور ان کے پیروکار شامل ہیں ان کا کام اختیار کے بغیر دعوت و تبلیغ یعنی اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے فضائل بیان کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی طرف راغب کرنا رہ گیا۔ اس کے لئے جماعتیں موجود ہیں ۔ دعوت و تبلیغ کا فریضہ شریعت میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[2]

"اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کے کام کرنے کو کہے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔"

آیت میں فعل امر کا ستعمال اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فریضہ صرف وعظ و تلقین سے ہی نہیں بلکہ اختیار اور قوتِ نافذہ سے ادا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بات واضح ہے کہ یہ حکم صرف اسی امت ہی کو نہیں ہے بلکہ سابقہ امتوں کو بھی یہ نصیحت کی جاتی تھی۔ قرآن گذشتہ امتوں کی خبر بھی دیتا ہے کہ دعوت تبلیغ کا فریضہ ہر دور میں رہا ہے۔ سورہ لقمان میں ارشاد ہے:

﴿يَابُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾[3]

"اے میرے بیٹے نماز قائم کرو بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت آئے اس پر صبر کرو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔"

قرآن دعوت و تبلیغ کو امت مسلمہ کی خصوصی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[4]

اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ امت مسلمہ کو اب خیر امت کے منصب پر فائز کیا گیا ہے تو اس کا سبب دعوت و تبلیغ کا فریضہ ہے۔ تاہم اس فریضہ کے لیے مطلوبہ صفات اور ذمہ داریوں کے بغیر اس منصب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ کار دعوت میں سب سے زیادہ اہمیت "مدعو" کو حاصل ہے۔ دعوت و تبلیغ کا وہ نہایت اہم گوشہ ہے جس پر مناسب توجہ نہ ہونے کے باعث کارِ دعوت کے خاطرِ خواہ نتائج برامد نہیں ہوتے۔ زیر نظر مقالہ میں مدعو درج ذیل نکات کے تحت گفتگو کی جائے گی۔

۱۔ مدعو کی تعریف ۲۔ مدعوبین کی اقسام ۳۔ مدعو کے حقوق

1۔مدعو کی تعریف:

جس شخص کو دعوت دی جاتی ہے اس کو مدعو کہا جاتا ہے۔اسلام کی دعوت سب انسانوں کے لیے عام ہے۔اس نقطہ نظر سے تمام انسان ہی مدعو ہیں۔جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا:

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[5]

"آپ ﷺ فرمادیجیے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

اسی طرح سورہ سبا کی آیت نمبر 28 میں بھی نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا جارہاہے کہ آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ان آیات سے عصرِ حاضر کے دعوتی امور کے ماہر ایک مفکر ڈاکٹر عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان اسلام کی طرف بلائے جانے اور اس کو قبول کرنے کا مکلّف ہے[6]۔ لہٰذا دعوت ہر شخص کے لیے عام ہے۔کسی طبقہ ، گروہ، جنس یا قوم کے لیے مخصوص نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے بھی سب انسانوں کو مخاطب کیا۔سورہ البقرہ کی ایت نمبر**21** میں تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو۔اسی اسلوب پر کثیر التعداد آیات میں تمام انسانوں سے خطاب کیا گیا ہے۔للذا داعی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دعوت کو ہر ممکن حد تک تمام انسانوں تک پہنچانے کی تڑپ رکھتا ہو۔لیکن اس کے لیے مناسب ہے کہ عقلی و فطری طریقے استعمال کرے۔عقلی و فطری طریقوں میں ایک نہایت اہم اصول ترتیب کا خیال رکھنا ہے، مثلاً دور والے کی نسبت قریب والے کو دعوت پہنچانا آسان ہے اور داعی گروہ کے مدد گاروں میں اضافے کا باعث بھی ہے۔اسی لیے قرآن نے مکے کے ابتدائی دور میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینے کا حکم دیا[7]۔آنحضور ﷺ نے پہلے خاندانِ قریش کو دعوت دی۔اس کے بعد آہستہ آہستہ قریبی حلقوں کو دعوت دینے کے بعد دعوت کو عام کیا، نیز تقریباً اڑھائی سال کے عرصے کے بعد آپ ﷺ نے علی الاعلان دعوت دی۔

2۔مدعو کی اقسام

انسان کی مزاج اور صلاحیتوں میں فرق کے باعث مدعو بھی مختلف صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔بعض حق کو سمجھتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابو بکر کی مثال ہے۔اور بعض اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ غلبہ کے آثار دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔جیسا کہ حضرت ابو سفیان کی مثال ہے۔اور بعض تمام عمر ابو جہل اور ابو لہب کی طرح مخالفت پر اڑے رہتے ہیں۔مدعو کی چار اقسام بتائی جاتی ہیں۔ایک قسم صاحب اختیار طبقہ کی ہے یعنی سردار یا لیڈر کی قسم کے لوگ۔دوسری قسم میں عام لوگ آتے ہیں۔تیسیر قسم منافقین کی ہوتی ہے۔جو بظاہر دعوت کو قبول کرتے ہیں مگر درپردہ نقصان پہنچاتے ہیں۔چوتھی قسم نافرمان یا گناہ گار اور بے عمل لوگوں کی ہوتی ہے۔

ا صاحب اختیار طبقہ:

قرآن نے رسولوں کے اپنی قوموں کو دعوت کے واقعات میں صاحب اقتدار طبقہ کے لیے (الملاء) کا لفظ استعمال کیا ہے۔مفسرین نے ان کو اشراف، سرداران یا باعزت لوگ کہا ہے۔یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن نے ان کو معیارِ حق کی رو سے باعزت لوگ

نہیں کہا بلکہ امر واقعہ کے طور پر کہا ہے یعنی عملاً وہ معاشرے میں با عزت بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ اس کے اہل نہ ہوں۔ واقعات سیرت سے بھی اسی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہؐ نے بھی اپنے وقت کے بادشاہوں اور سرداران کو ان کے رائج القابات سے مخاطب فرمایا۔ جیسا کہ روم کے بادشاہ کو دعوت نامہ بھیجتے ہوئے اس کو "عظیم الروم" لکھا، کیونکہ وہ روم میں اسی لقب سے معروف تھا۔ لہٰذا اس کو بات سننے پر آمادہ کرنے کے لیے لازم ہے کہ اس کو اس کے معروف لقب سے مخاطب کیا جائے۔ بصورتِ دیگر وہ بات سننے پر راضی نہیں ہو گا۔ یعنی لقب معروف ہونے کے باعث پکارا جاتا ہے۔ استحقاق ہونا لازم نہیں[8]۔ قرآن میں اس طبقہ کا ذکر مخالفین کے طور پر آیا ہے۔ ہر دور کے اہل اقتدار طبقہ نے وقت کے نبی کی شدید مخالفت کی۔ انبیاء پر الزامات لگائے ان کو اذیتیں دیں قرآن نے بتایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ - وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ﴾[9]

''ہم نے کسی بستی کی طرف نذیر نہیں بھیجا جس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لائے ہو، ہم اس کو نہیں مانتے۔ انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہر گز سزا پانے والے نہیں۔''

اسی طرح حضرت نوحؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا ہم تمہیں صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں[10]۔ یعنی حضرت نوح کی قوم کے سردار اور دیگر تمام انبیا کی اقوام کے سرداروں نے الٹا انبیا کو گمراہ قرار دیا اور انبیا کی بات نہ صرف خود نہیں مانی بلکہ دوسروں کو بھی روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انبیا اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اذیتیں دیں۔ اسی طرح کا رویہ کفارِ قریش کا تھا۔ سرداران اپنی قوم کو اپنے مذہب پر قائم رہنے اور انبیا کی بات نہ ماننے کے احکام دیتے۔ سیرت نبوی کے مصادر میں سردارانِ قریش کا یہی رویہ درج ہے کہ آپؐ پہلے حضرت عمار، یاسر، بلال اور خباب جیسے کمزور لوگوں کو خود سے دور کریں تب ہم آپؐ کی بات سنیں گے۔ ہماری موجودگی مین ان کو مجلس سے اٹھادیں۔ حضورؐ جب تبلیغ کے لیے نکلتے تو ابو لہب جو کہ سردارانِ قریش میں سے تھا، ساتھ ساتھ کہتا جاتا کہ ان کی بات نہ سنو[11]۔

صاحب اقتدار طبقہ کی مخالفت کے اسباب:

تکبر:

مخالفت کا سب سے بڑا سبب تکبر ہے۔ کسی دوسرے کی بڑائی کو تسلیم کرنا ان پر گراں گزرتا ہے۔ وہ حق کو اس کے دلائل سے پہچان بھی لیں تو تکبر کی وجہ سے اعتراف ہیں کرتے۔ تکبر حق دشمنی میں مسلسل اضافہ کرتا ہے۔ قراں نے اس صورتحال کی تصویر کشی کی ہے:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾[12]

"انہوں نے ظلم اور گھمنڈ کے سبب اس کا انکار کیا حالانکہ ان کے دلوں نے اس کو قبول کر لیا تھا۔ پس دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کیا کیسا انجام ہوتا ہے۔"

یہی رویہ قرآن نے حضرت نوح کی قوم کے سرداران کا ذکر کیا۔ ہر عہد کا صاحب اقتدار طبقہ تکبر کا شکار ہوتا ہے۔ نادار و کمزور لوگوں کی موجودگی کو باعث تحقیر سمجھنے کے تکبر پر مبنی رویہ کا قرآن نے یہ جواب دیا

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾[13]

"اے نبی آپؐ ان لوگوں کے ساتھ خود کو مطمئن رکھیں جو اپنے رب کی رضا کے طلبگار بن کر صبح و شام اس کو پکارتے ہیں اور ان سے نگاہ ہر گز نہ پھیریں۔"

اللہ نے رسول اللہؐ کو بتا دیا کہ اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ایمان واخلاص کی ہے۔ متکبرین کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

حب جاہ:

حق دشمنی کا دوسرا بڑا سبب حب جاہ ہے۔ ایسے لوگ باقی سب کو ہمیشہ اپنا محکوم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ گویا طبقاتی تقسیم ان کے ہاں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ مگر اللہ کے ہاں سب انسان برابر ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگ دعوتِ حق کو اپنے مقام و مرتبہ کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے، مخالفت کرتے ہیں۔ اور طلبِ جاہ کا الزام بھی داعی پر لگا دیتے ہیں۔ قرآن نے مختلف انبیا کی قوموں کے اسی رویے کی نشاندہی کی۔

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ﴾[14]

"ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو محض تمہاری طرح کا انسان ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ضرور فرشتوں کو اتارتا۔ ہم اس سے محض اگلوں کی باتیں ہی سنتے ہیں۔"

مخالفینِ حق کا طریقہ کار ہی یہ ہے کہ اصلاح کرنے والے پر فوراً اقتدار کا خواہشمند ہونے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ یہ الزام فرعون نے حضرت موسیٰ وہارونؑ پر لگایا تھا کہ تم چاہتے ہو کہ تمہیں ملک میں بڑائی حاصل ہو جائے[15]۔ یہی حضرت عیسیٰ پر لگایا گیا اور اسی کا شبہ نبی ﷺ کے متعلق سردارانِ قریش کو تھا۔ حضرت ابو طالب کو قریش مکہ نے اسی خیال کے پیشِ نظر پیشکش کی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں "جو لوگ ساری عمر دنیا اور اس کے مادی فائدوں اور اس کی شان و شوکت ہی کے لیے اپنی جان کھپاتے رہتے ہیں ان کے لیے یہ تصور کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے کہ اسی دنیا میں کوئی انسان نیک نیتی اور بے غرضی کے ساتھ فلاح انسانیت کی خاطر اپنی جان بھی کھپا سکتا ہے"[16]

جہالت:

دعوتِ دین کی مخالفت کا ایک سبب جہالت ہوتا ہے۔ یہ لوگ اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے انبیا کے پیغام کو سمجھتے ہی نہیں۔ مزید چونکہ یہ پیغام انہوں نے اپنے باپ دادا سے نہیں سنا ہوتا اس لیے وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اپنی جہالت کے سبب انبیا کو فساد کا موجب سمجھتے ہیں۔

﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ﴾[17]

"جواب میں اُس کی قوم کے سردار جنہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا تھا، بولے ہماری نظر میں تو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو، بس ایک انسان ہو ہم جیسے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم میں سے بس اُن لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہو، بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔"

ب جمہور عوام:

دعوت کے مخاطبین میں دوسرا طبقہ عام لوگوں کا ہے یہ تعداد میں سب سے زیادہ مگر صاحب اختیار طبقہ کے تابع ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر مختلف شعبوں اور پیشوں سے وابستہ کمزور لوگ ہوتے ہیں۔ یہ گروہ پہلے گروہ کی نسبت انبیا کی دعوت کو جلد قبول کرتا ہے۔ جیسا کہ ہرقل (قیصر روم) نے شام میں ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات کیں تو اس نے سوال کیا کہ ان کے متبعین اشراف ہیں یا کمزور، ابوسفیان نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں، تو اس نے کہا کہ انبیا کے پیروکار اکثر کمزور لوگ ہوتے ہیں[18]۔ قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے جلد دعوت قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں طبقہ امرا کی تکبر اور حبِ جاہ جیسی برائیاں نہیں ہوتیں۔ لیکن طبقہ امرا ان کو گمراہ کرتا ہے۔ قران اس کی تصویر کشی کرتا ہے۔

﴿وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِم . . . إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[19]

"کاش تم دیکھو ان کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ ''اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے'' وہ بڑے بننے والے ان دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے ''کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں، بلکہ تم خود مجرم تھے''۔ وہ دبے ہوئے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے، ''نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھیرائیں'' آخر کار جب یہ لوگ عذاب دیکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتائیں گے اور ہم اِن منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے کیا لوگوں کو اِس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جا سکتا ہے کہ جیسے اعمال اُن کے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟"

قرآن کریم نے روزِ قیامت انبیا کی مخالفت کرنے والوں، مخالفت میں خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے والوں اور ان کی باتوں میں آکر گمراہ ہونے والوں کی باہمی گفتگو کا منظر پیش کیا ہے۔ جو لوگ صاحب اختیار طبقہ کی اتباع میں کفر کریں گے وہ بالآخر شرمندہ ہوں گے۔ اس گروہ کے صاحب اختیار طبقہ سے متاثر ہونے کی دو وجوہات ہیں۔ایک وجہ صاحبانِ اختیار کا خوف ہے۔ کہ وہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ قرآن اس بات کی عکاسی کرتا ہے جیسا کہ قومِ عاد کے انکار کی وجہ بتائی۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا، رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ظالم اور حق دشمن کی پیروی کرتے رہے[20]۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحبانِ اختیار کے ساتھ رہ کر ان کو بھی کچھ لالچ ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ نے قومِ نوح کی داستاں کے ضمن میں بیان فرمائی۔ کہ انہوں نے ماہ و جاہ کے لالچ میں حضرت نوح کو چھوڑ کر اپنے سرداروں کی پیروی کی[21]۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ یہلوگ دل و دماغ کی بہت اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے۔ لہٰذا صاحب اقتدار گروہ کے اہلِ حق کے متعلق پیدا کردہ شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنی جہالت کی وجہ سے خواص کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔ پھر انسان فطری طور پر جلد باز اور سہل طلب ہے۔ ان کے بھلائی کے معیار سطحی ہوتے ہیں۔ مثلاً مال یا خوشحالی جس کے پاس ہو گی وہ ہی درستی پر ہو گا۔ لہٰذا یہ لوگ خواص کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اہل حق کی دعوت سے راہ راست پر آ جاتے ہیں۔

ج منافقین:

اصطلاح میں منافق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن مختلف ہو۔ جو شخص اصولِ ایمان کی تکذیب کو خفیہ رکھے وہ خالص منافق ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے[22]۔ لیکن جو شخص ایمانیات کے علاوہ دیگر معاملات میں ظاہر و باطن مختلف رکھے وہ جزوی یا عملی منافق ہو گا۔ایک حدیث مبارکہ میں منافق کی علامات بتائی گئی ہیں ان کے مطابق جس شخص میں درج ذیل چار عادات ہوں گی وہ خالص منافق ہو گا۔ اور جس میں ان میں سے کوئی ایک عادت ہو گی اس میں نفاق کی عادت ہو گی۔ جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ جب امین ہو تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے[23]۔ یہ سب علاماتِ نفاق ہیں۔ دعوت کے معاملے میں نفاق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب دعوت کو قوت حاصل ہو۔ تو ایسے وقت میں ایسے عناصر جن کے مفادات سابقہ نظام کے ساتھ ہوتے ہیں اور دعوت قبول کرنے کے نتیجے میں وہ مفادات ضائع ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے عناصر دعوت قبول کرنے کا صرف اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ نئے نظام سے وابستہ ہو کر فوائد حاصل کر سکیں۔ اور سابقہ نظام سے بھی وابستہ رہ سکیں۔ جیسا کہ قرآن نے نفاق کی کیفیت بتائی کہ "کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں نہ پورے اِس طرف ہیں نہ پورے اُس طرف جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے"[24]۔ نفاق کا سبب کفر اور جبن ہے۔ جبن مسلمانوں سے فوائد حاصل کرنے پر ابھارتا ہے۔ قرآن و سنت سے واضح ہے کہ منافق کافر کی نسبت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ نفاق کی تمام علامات فردِ واحد میں پائی جائیں۔ داعی کا مخاطب جب یہ طبقہ بنتا ہے تو اسے اس طبقے کے افراد کی خامیوں کو مدِ نظر رکھ کر دعوت دینا ہو گی اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنی ہو گی۔ معاشرہ میں اس طبقہ کی طرف سے جو علامات عام پائی جاتی ہیں؛ ان میں اہلِ ایمان کی تحقیر کرنا، حب جاہ واقتدار، اہلِ کفر سے تعلق

، دھوکہ دہی اور ریاکاری، عبادات میں تساہل، طاغوت سے فیصلہ کے لیے رجوع، مؤمنین میں فساد ڈلوانا، اہلِ حق کی عیب جوئی، عہد شکنی، اہل ایمان کا تمسخر اڑانا جہاد سے بھاگنا اور مؤمنین کو ضرر پہنچانا شامل ہیں۔

د بے عمل گروہ

بے عمل یا گناہ گار مومن وہ ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار تو کرتے ہیں۔ مگر اس کی شہادت کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ یعنی بعض اوامر کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ گناہ گار مؤمنین کے بہت سے درجے ہیں۔ کوئی زیادہ عصیان کا مرتکب ہوتا ہے اور کوئی کم گناہ کرتا ہے۔ مسلمان اس سے مکمل طور پر محفوظ نہیں ہوتا۔ عصیان کے کئی اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ انسان کے نفس میں اچھائی اور برائی دونوں طرح کے جذبات ہیں۔ جس چیز کو باہر سے تحریک ملتی ہے نفس اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ شیطان کے بہکاوے سے نفس پر معاصی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ تاہم معاصی کے ارتکاب کی جزا جہنم ہے۔ انسان آسائش پسند ہے۔ دنیاوی زندگی کی آسائشات میں مبتلا ہو کر حلال و حرام کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ حالاں کہ اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ تم دنیاوی زندگی پر ریجھ جاتے ہو جبکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے[25]۔

ارتکابِ معاصی کی ایک وجہ جہالت ہے۔ لوگ اللہ کا حکم نہ جاننے کے باعث بھی گناہ کر جاتے ہیں۔ لیکن اس کا علاج توبہ میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق اُنہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ مگر توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت وقت آ جاتا ہے اُس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی، اور اسی طرح توبہ اُن کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے[26]۔

یعنی گناہ گار اپنے رب کی ربوبیت، عظمت الوھیت اور اس کے انعامات وغیرہ سے بے خبر ہوتا ہے۔ اور وہ موت کو بھلا بیٹھا ہوتا ہے۔ داعی کو چاہیے کہ وہ ان پر شفقت رکھے۔ نرمی سے ان کی اصلاح کرے۔ وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی تحقیر نہ کرے۔ ثابت قدمی اور برداشت کے ساتھ فریضہ دعوت انجام دیتا رہے۔ اور آسان انداز میں مخاطبین کی تربیت کرے۔

3۔ مدعو کے حقوق

مدعو یا مخاطب کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کو دینِ حق کی دعوت دی جائے۔ ان کو خدا کی طرف بلایا جائے۔ یہ حق اتنا عظیم ہے کہ قوم بنی اسرائیل کو جب سزا ملی تو ان میں اسے ایک گروہ کو محض امر و نہی کے فریضے میں کوتاہی کی وجہ سے سزا دی گئی۔ سورہ المائدہ کی آیت نمبر **79** میں یہود کے جرائم میں سے اس جرم کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف جرائم کرتے تھے، اور انبیا کے منع کرنے پر باز نہیں آتے تھے اور یہ بتایا گیا ہے کہ "اور آپس میں ایک دوسرے کو جو برے کام وہ کرتے تھے، ان سے منع نہیں کرتے تھے"۔ اس آیت

مبارکہ کی روشنی میں مدعو کا یہ حق واضح ہوتا ہے کہ دعوت کا اس تک پہنچانا داعی کا فرض اور اس کا حق ہے۔ یعنی داعی اس انتظار میں نہ بیٹھے کہ مدعویین اس کے پاس آئیں تو وہ ان تک دعوت پہنچائے۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ کتب میں سیرت میں یہ بیان ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر موسم میں اور ہر وقت دعوت کے لیے نکلتے۔ آپ ﷺ قبائلِ عرب کے پاس جاتے اور ان کو خبر دیتے کہ آپ ﷺ ان کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور آپ ﷺ ان سے سوال کرتے کہ وہ آپ ﷺ کی تصدیق کریں۔ آپ ﷺ مختلف قبائل میں جاتے اور فرماتے ، مثلاً اے بنی کلاب میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں وہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ۔ اور یہ کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور میری تصدیق کرو۔ جو کوئی بھی مکہ آتا ، آپ ﷺ خود اس تک پہنچتے اور اس کو جا کر دعوت دیتے[27]۔

داعی کا حق یہ بھی ہے کہ اگرچہ وہ خود حق کی بات نہیں سننا چاہتا ، مگر پھر بھی اس کو دعوت دی جائے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ دعوت اس کے لیے مفید ہے۔ جیسا کہ اہلِ طائف کے ظلم اور برے سلوک کے بعد جب آپ ﷺ سے کہا گیا کہ ان کے حق میں بد دعا کریں تو آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی اور فرمایا کہ یہ نہیں جانتے کہ میں ان کا کتنا خیر خواہ ہوں[28]۔ یعنی داعی کے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔ ہدایت کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ جیسا کہ سورہ العنکبوت کی آیت نمبر **18** میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے "۔

مگر یہاں قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس اصول کا درست فہم نہایت ضروری ہے۔ تاریخ دعوت میں اس بات کی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ اس اصول کو غلط سمجھا گیا۔ جس کے نتیجے میں یہ تصور معاشرے میں رائج ہو گیا کہ مدعو چاہے نہ سننا چاہے اس کو زبردستی سنا دیا جائے ، خواہ کوئی مطلوبہ نتیجہ برآمد ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ معاشرے میں دعوت کے تصور کی غلط تفہیم ہے۔ مدعو میں قبولِ حق کی صلاحیت کا ہونا دعوت کا لازمی عنصر ہے ، نیز مدعو کا حق ہے ، اور دعوت کے عظیم پیغام کا ادب ہے کہ پیغام مدعو تک پہنچانے سے پہلے اس میں پیغام سننے کی آمادگی پیدا کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[29]

''اور اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو بلایئے حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔''

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں دعوت و تبلیغ کا منہج واضح کیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے کہ حکمت سے دلائل مراد ہیں ، جبکہ عمدہ نصیحت سے مراد یہ ہے کہ شفقت سے داعی کو نصیحت کی جائے۔ یعنی ہر بات دلیل کے ساتھ ہو کہ مخاطب اس کو جھٹلا نہ سکے ، لیکن اسلوب بھی ایسا نہ ہو کہ وہ مقابلے پر اتر آئے ، بلکہ اس کو محسوس ہو کہ جو بھی بات کہی جا رہی ہے اس کے بھلے کے لیے کہی جا رہی ہے۔ نفسِ مضمون خواہ اس کے اس کی دلچسپی کی نفی کرنے والا بھی ہو تو وہ داعی کے اسلوب کی وجہ سے ہی سننے پر مائل ہو جائے

۔اگرچہ کئی ہٹ دھرم اس سے بھی نہیں سمجھتے اور مقابلے کی فضا پیدا کر دیتے ہیں تو یہی مجادلہ احسن ہے کہ داعی اس صورتِ حال میں بھی کٹ حجتی پر نہ آئے[30]۔ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ

> حکمت یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے۔ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے، پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے۔ پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔ عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔برائیوں اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت سے ہی ابطال نہ کیا جائے۔ بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لیے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے؛اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عملِ صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً نہ ثابت کی جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقہ سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے۔اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے۔ بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لیے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقیت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔[31]

دونوں مفسرین نے تبلیغ میں حکمت، عمدہ نصیحت اور مجادلہً احسن کی بہترین وضاحت کی ہے۔ نیز سورہ النحل سے داعی کے اس حق کی عمدہ وضاحت ہوتی ہے کہ اس کی عدم آمادگی کو آمادگی میں کیسے تبدیل کیا جائے۔یہ دعوت کا وہ پہلو ہے جس پر کم توجہ کی وجہ سے دعوت اپنے مثبت نتائج سے محروم رہتی ہے۔

کتب سیرت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبلیغ کے لیے لوگوں کے پاس چل کر جایا کرتے تھے۔آپ ﷺ کی لوگوں سے شفقت، ان کی ہدیت کے لیے تڑپ اور ان کے کفر سے پاک ہونے کی خواہش لوگوں کو آپ کے قریب لاتی۔ داعی کے لیے اسوۂ حسنہ کی پیروی لازم ہے۔

مخاطب کی نفسیات کا لحاظ:

فریضۂ دعوت میں داعی کے لیے مدعو کی نفسیات کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ مدعو کے لیے دعوت قبول کرنا آسان ہو۔ مولانا اصلاحی نے لکھا ہے:

> "جس طرح ایک بیج کے نشوونما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھنی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی، مستعدی، فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا لحاظ بھی رکھنا پڑتا ہے۔اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے حق پیش کیا جارہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے۔"[32]

دعوت ایک کثیر الجہتی فریضہ ہے۔ اس میں مخاطبین کی عمر، مزاج، علمی حیثیت، مالی حیثیت، عہدہ و دیگر چیزوں کے فرقِ مراتب کے باعث مدعیین میں بھی فرق ہوتا ہے۔ تاہم ہر قسم کے مدعو کو مخاطب کرنے کے لیے اس کی نفسیات کا پہچاننا اور اس کو خیال رکھنا لازم ہے۔ نفسیات کے لحاظ کے کئی اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے کچھ اصولوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

ایک اصول، جو کہ مدعویین کی سب اقسام کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ کہ امور دعوت کو آسان صورت میں پیش کیا جائے۔ یہ امر قرآن کے اصول تدریج سے ماخوذ ہے۔ مخاطب کو آسان سے مشکل کی طرف لایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو اس کی خاص ہدایت فرمائی۔ ارشاد ہے

((بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا)) [33]

"خوشخبری دلاؤ، نفرت نہ دلاؤ۔ آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو۔"

موجودہ زمانہ میں دعوت سے عام طور پر لوگوں کی دلچسپی نہ ہونے کی ایک اہم وجہ دعوتی امور میں مشکل پسندی ہے۔ جس کی وجہ سے مدعو پست ہمت ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سنن ابی داؤ میں یہی بات ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے کہ تم تو آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ مشکل پیدا کرنے والے[34]۔

مخاطب کی صلاحیت کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ افرادِ انسانی کی طبیعت، مزاج اور عمروں کے فرق کے باعث ہر ایک کی صلاحیت میں فرق ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کو ملحوظِ کا خاطر رکھے بغیر ہر ایک کو ایک ہی انداز سے اور ایک مقدار میں نصیحت کی جائے تو بعض اوقات نتیجہ الٹ بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر چھ میں اللہ تعالی نے قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونے کی وجہ یہی بتائی کہ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنایا جائے۔ تاکہ ان پر ایک دم بوجھ نہ پڑے۔ سیرت طیبہ سے بھی اسی امر کے شواہد ملتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں کو ان کی استعداد، عقل اور سمجھ کے مطابق بات کہتے تھے۔

مخاطب کی دلچسپی کا خیار کھنا، دعوت کو کامیاب کرانے کا اہم ذریعہ ہے۔ دعوت اگر ایسے وقت میں دی جائے جب کہ مدعو کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہے تو ایسے میں یہ بات کو بے اثر کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی صورتحال میں اصرار مدعو کو دعوت کا مخالف بنانے کا سبب بنتا ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾[35]

"جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں مین میکھ نکالتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاو۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مصروف ہو جائیں۔ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔"

قرآن کریم کا فرمان نہایت واضح ہے کہ جس وقت مخاطب مخالف ذہنیت کے ساتھ بیٹھا ہو، اس وقت اس سے بحث کرنا اس کو مخالفت میں پختہ کرنے کے مترادف ہے۔ بجائے اس کے خاص طور پر اس وقت کا انتخاب کرنا چاہیے، جب کہ مخاطب نصیحت کی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔

اس مقصد کے لیے مقدار کا انتخاب بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی ہر شخص کی استعداد کے مطابق اس کو ہدایت کی جائے، کہ اپنی استعداد سے زیادہ مقدار ہونے کی وجہ سے وہ اکتا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مدعو کی اکتاہٹ سے پرہیز کی خاص طور پر نصیحت فرمائی حدیثِ مبارکہ ہے

عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: ((حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ، فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلاَثَ مِرَارٍ، وَلاَ تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا القُرْآنَ، وَلاَ أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي القَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ، فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ، فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ، وَلَكِنْ أَنْصِتْ، فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ)) [36]

عکرمہ سے روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو جمعہ کے جمعہ وعظ کیا کرو۔ اگر اس سے زیادہ کرنا ہو تو ہفتہ میں دو بار اگر اس سے بھی زیادہ کرنا چاہو تو ہفتہ میں تین بار۔ اور لوگوں کو اس قرآن سے بیزار نہ کرو۔ میں تمہیں اس حال میں نہ دیکھوں کہ تم کسی جماعت کی طرف جاؤ اور وہ اپنے کام میں مشغول ہوں اور اس حال میں تم ان کو وعظ سنانا شروع کر دو، اور اس کا نتیجہ بیزاری ہو۔ بلکہ تمہیں چاہیے کہ تم خاموش رہو اور جب لوگ فرمائش کریں تو ان کو سناؤ اور وہ خواہش سے سنیں۔

اسی مضمون کا ایک قول بھی معروف ہے جو مدعو کے میلان طبع کے لحاظ کرنے کو ضروری بتاتا ہے:

"خَيْرُ الْكَلَامِ مَا دَخَلَ الْأُذُنَ بِغَيْرِ إِذْنٍ"[37]

''بہترین کلام وہ ہے جو کان میں بغیر اجازت داخل نہ ہو۔''

اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ داعی کے لیے لازم ہے کہ طوالت سے پرہیز کرے۔ لمبی بات اکتاہٹ کا باعث ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں روایت ہے کہ ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے کسی نے ان سے کہا میری خواہش ہے کہ آپ روزانہ وعظ کیا کریں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں ایسا اس خیال سے نہیں کرتا کہ کہیں تم بیزار نہ ہو جاؤ۔ میں بھی اسی طرح ناغہ کر کے تمہیں نصیحت کرتا ہوں جس طرح حضور ﷺ میں ناغہ کر کے نصیحت کرتے تھے تاکہ ہم بیزار نہ ہو جائیں[38]۔

مدعو کا ایک حق یہ ہے کہ داعی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے مدعو اپنے غلط نظریات کی صحت یا عدمِ صحت پر غور کرنے کے بجائے، ان کے دفاع میں لگ جائے۔ ایک عام غلط فہمی یہ ہوتی ہے کہ داعی جس چیز کو حق سمجھتا ہے، حکمت کے بغیر، موقع و محل کو دیکھے بغیر اس کا اعلان کرنے کو حق سمجھتا ہے۔ جبکہ اللہ نے اپنے دین کے ابلاغ کے لیے یہ طرزِ عمل اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[39]

''اور اللہ کے سوا یہ جن کو پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو کہ وہ تجاوز کر کے بے خبری میں اللہ کو گالیں دینے لگیں۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کی نگاہوں میں اس کو عمل خوش نما بنا رکھا ہے۔''

دعوتِ دین کے نظام میں عام طور پر مقابلہ یا موازنہ مثبت نتائج کا حامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس طرح مدعو اپنے غلط نتائج کی غلطی سوچنے کے بجائے اس کے دفاع میں مصروف ہو جاتا ہے۔ تعصب کی فضا قبولِ حق میں مانع ہوتی ہے۔ لہٰذا داعی کے لیے لازم ہے کہ وہ مخاطب کے نظریات کی کھلے الفاظ میں تردید کرنے کی بجائے، اپنے نظریات کی حقانیت، دلائل اور منافع کو واضح کرے اور موازنے کا کام مدعو کو خود کرنے دے۔ تاکہ وہ قبولِ حق کی طرف مائل ہو سکے۔ اللہ نے فرمایا،

﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[40]

"اور میرے بندوں سے کہو کہ وہی بات کہیں جو بہترین ہے۔"

مدعو کا ایک حق یہ ہے کہ اس کے مقام اور حیثیت کے مطابق رویہ اختیار کیا جائے۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اس کے مقام اور حیثیت سے کم تر رویہ اختیار کیا جائے تو وہ منفی جذبات کی رو میں بہ جاتا ہے۔ یہ تاثر دعوت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ لہٰذا داعی کے لیے لازم ہے کہ وہ مدعو کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے لیے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

﴿اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى .فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى﴾[41]

"تم دونوں فرعون کے پاس جاو، بے شک اس نے سرکشی کی ہے۔ پس اس کو نرمی کے ساتھ دعوت دینا شاید کہ وہ یاددہانی حاصل کرے یا ڈرے۔"

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرعون کے سامنے بھیج رہے ہیں جو کہ وقت کا بادشاہ ہی نہیں بلکہ خدا ہونے کا دعویدار بھی ہے۔ اور نصیحت کرنے کا اسلوب یہ بتا رہے ہیں کہ نرمی سے بات کرنا، اگر اس میں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت ہو گی تو وہ نصیحت قبول کر لے گا۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ وقت کے بہترین انسان کو وقت کے نافرمان ترین انسان کی طرف بھیجا جا رہا ہے، جو کہ صرف نافرمان ہی نہیں بلکہ خدائی کا دعویٰ رکھتا ہے۔ تاہم ان کو بھی نرم بات کہنے کا حکم ہے لہٰذا یہی اسلوب ہر داعی کے لیے متعین ہوتا ہے کہ وہ اپنے مدعو سے نرمی سے بات کرے[42]۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انبیا کا طریقہ دعوت نرمی سے بات کرنے کا ہے۔ یہی اسلوب قرآن نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کا بھی بتایا ہے۔

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾[43]

"یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپؐ انکے لیے رحم دل ہیں اور اگر آپؐ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھوٹ جاتے۔ سو آپؐ ان سے درگذر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور ان کو مشورے میں شامل کریں۔"

اسی طرح حدیث مبارکہ میں بھی لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق درجہ دینے کی نصیحت کی گئی ہے۔

((أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ)) [44]

دعوت کی پیشکش کا ایک نہایت اہم طریقہ یہ ہے کہ اگر مدعو یا مخاطب کسی دلیل پر اڑ جائے یا کٹ حجتی پر اتر آئے تو داعی اپنی دلیل کے درست اور برحق ہونے کے باوجود اس پر اصرار نہ کرے۔ اپنے درست مؤقف سے پیچھے ہٹنے کا مطلب حق کو چھوڑنا ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ پیشکش کا طریقہ تبدیل کرنا ہے۔ یہ تبدیلی مدعو کو ضد اور حق دشمنی سے بچانے کے لیے ہے۔ اسلوب کی تبدیلی کی بہترین مثال حضرت ابراہیمؑ کے اسوۃ سے ملتی ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾[45]

"کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا۔ اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو اقتدار بخشا تھا۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا کہ میرا رب اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال دے تو وہ کافر مبہوت رہ گیا۔ اور اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔"

ان آیات مبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ کے وقت کے بادشاہ کے ساتھ مکالمہ کا تذکرہ ہے۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کا تعارف زندگی اور موت عطا کرنے کی صلاحیت کے ساتھ کرا رہے ہیں۔ اس بات کو غلط رنگ دے کر اس نے زندگی اور موت کے اختیار کے حامل ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بجائے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے کے ایک اور دلیل کا انتخاب کر لیا۔ ایسا انہوں نے مخاطب کی نفسیات کے پیشِ نظر کیا۔ انہوں نے جان لیا کہ مخاطب بحث بازی کرنا چاہتا ہے۔ بحث جیتنے کے لیے محض دلیل کا درست ہونا ضروری نہیں۔ انہوں نے بحث سے اجتناب کرتے ہوئے ایک اور دلیل سے اپنا مؤقف بیان کیا اور قرآن نے بتایا کہ وہ کافر مبہوت رہ گیا۔

حاصلِ بحث:

درج بالا نکات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ

1 عصرِ حاضر میں مختلف جماعتیں اپنی استعداد، صلاحیت اور تربیت کے مطابق دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہی ہیں۔

2 امر بالمعروف و نہی عن المنکر ارباب اختیار کے کرنے ادا کرنے کا فریضہ ہے۔ لہٰذا ارباب ختیار کو اس طرف توجہ دلائی جائے۔

3 مروجہ طریقِ تبلیغ میں متعدد نقائص ہیں۔ اگرچہ مبلغین اور حکما اسلام مختلف ادوار میں اپنے عہد میں رائج طریقِ تبلیغ کا بغور مشاہدہ کر کے اس میں موجود خامیوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں، تاہم موجودہ طریقہ ہائے تبلیغ میں مختلف سطحوں پر مختلف نوعیت کی تبدیلیاں درکار ہیں۔

4 رائج طریقہ ہائے تبلیغ میں دعوت اور داعی کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، جبکہ مدعو کو سب سے زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔

5 مدعو کی تعلیم، معاشی حالت، معاشرتی پس منظر اور ذہنی استعداد کے مطابق درجہ بندی کر کے، ہر سطح کے مدعو کے لیے علیحدہ نصاب مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

6 دعوتی مقاصد کے لیے مدعو کی نفسیات کو سمجھنا اور اس کا خیال رکھنا لازم ہے۔

7 مدعو میں اپنے نظریات اور رویوں کے لیے دفاعی رویہ پیدا نہ ہونے دیں۔ اگر ایسا ہوا تو دعوت کا عمل بند ہو کر رہ جائے گا۔

8 مدعو کے مزعومات کی فوری اور براہ راست تردید سے گریز کرتے ہوئے دعوتی عمل کے نتیجے میں اس کو اس مقام تک لانا لازم ہے کہ وہ اپنے مزعومات و رویوں کی غلطی خود محسوس کرے۔

9 ہر سطح کے مدعو کی ضروریات اور اس کو تبلیغ کرنے کے لوازم کو مد نظر رکھ کر دعوت پیش کی جائے۔

10 اگر دعوت کے کسی مرحلے میں محسوس ہو کہ خاطرِ خواہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے تو اپنی درست دلیل سے پیچھے ہٹ جانا، حکمت عملی کا تقاضا ہے مقصد کا ترک نہیں ہے۔

11 بحث کے دوران مجادلہ احسن کی قرآنی ہدایت کا مد نظر رکھنا لازم ہے۔

References

---

[1] القرآن، ال عمران، 19:3

Al-Qur'ān, ' Āl-' Imrān 3:19

[2] القرآن، آل عمران، 104:3

Al-Qur'ān, ' Āl-' Imrān 3:104

[3] القرآن، لقمان، 17:31

Al-Qur'ān, Luqmān, 31:17

[4] القرآن، آل عمران، 110:3

Al-Qur'ān, ' Āl-' Imrān 3:110

[5] القرآن، الاعراف، 158:7

Al-Qur'ān, ' Āl-A' rāf 7:158

[6] زیدان، عبدالکریم، اصول الدعوہ، مؤسسۃ الرسالہ، للطباعۃ والنشر والتوزیع، ص:373

Zaī dān, ' Abd al karī m, Usūl al da' wah, Muassisah al Rī sālah, Lī altabāah wa alnashr wa altawzī ' , p: 373

[7] القرآن، الشعرأ، 214:26

Al-Qur'ān, Al-Shu' ra, 26:214

[8] زیدان، عبدالکریم، اصول الدعوہ، ص:380

Zaī dān, ' Abd al karī m, Usūl al da' wah, p: 380

[9] القرآن، سبا، 34:34-35

Al-Qur'ān, Sabā, 34:34-35

[10] القرآن،الاعراف،60-59

Al-Qur'ān, ' Āl-A' rāf 7:59-60

[11] ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحٰق،دار فکر بیروت،1978،ج؛1،ص:176

Ibn Ishāq, Muḥammad bin Ishāq bin Yasār, Sī rat Ibn Ishāq, Dār al Fikr Beī rūt, 1978, Vol: 1, p: 176

[12] القرآن،النمل،14:27

Al-Qur'ān, Al Namal, 27:14

[13] القرآن،الکہف،28:18

Al-Qur'ān, Al Kahaf, 18:28

[14] القرآن،المؤمنون،24:23

Al-Qur'ān, Al M'uminūn, 23:24

[15] القرآن،یونس78:10

Al-Qur'ān, Yūnus, 10:78

[16] مودودی،ابوالاعلیٰ،مولانا، تفہیم القرآن،ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،ج:2،ص:302

Maudūdī , Abū al A' lā Maulānā, Tafhī m al Qur'ān, ī dārah Tarjūmān al Qur'ān, Lahore, 1998, vol: 2, p: 302

[17] القرآن،ھود،27:11

Al-Qur'ān, Hūd, 11:27

[18] البخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،دار طوق النجاۃ،1422ھ،ج:1،ص:8

Al Bukhārī , Muḥammad bin Ismāī l, Al Jī mi' Al Ṣaḥī ḥ, Dār Tauq Al Najat, 1422 ah, vol:1, p: 8

[19] القرآن،سبا،30-32:34

Al-Qur'ān, Sabā, 34:30-32

[20] القرآن،ھود،59:11

Al-Qur'ān, Hūd, 11:59

[21] القرآن،نوح،21:71

Al-Qur'ān, Nūḥ, 71:21

[22] القرآن،البقرہ،14:2

Al-Qur'ān, Al Baqarāh, 2:14

[23] البخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،ج:1،ص:16

Al Bukhārī , Muḥammad bin Ismāī l, Al Jī mi' Al Ṣaḥī ḥ, vol:1, p: 16

[24] القرآن،النسا،143:4

Al-Qur'ān, Al Nī sā', 4:143

[25]القرآن،الاعلیٰ،17:87

Al-Qur'ān, Al A' alā, 87:17

[26]القرآن،النسا،17:4

[27]ابن ھشام،عبدالملک بن ھشام،السیرہ النبویہ،شرکتہ مکتبہ و مطبع مصطفی البابی الحلبی،مصر،1955ج:1،ص:422

Ibn Hashām, ' Abd al Malak bin Hashām, Al Seerah Al Nabawiyyah, Sharī kah Maktabah wa Matba' Mustafā Al bābī Al Halabī , Egypt, 1955, vol: 1, p: 422

[28]ایضاً،ج:1،ص:420

Ibid, p: 420

[29]القرآن،النحل،125:16

Al-Qur'ān, Al Naḥal, 16:125

[30]اصلاحی،امین احسن،مولانا،تدبر قرآن،فاران فاؤنڈیشن،لاہور،2006،ج:4،ص:463

Iṣlāhī , Amī n Aḥsan, Maulānā, Tadabur e Qur'ān, Farān Foundation, Lahore, 2006, vol:4, p:463

[31]مودودی،ابوالاعلیٰ،مولانا،تفہیم القرآن،ج:2،ص:582

Maudūdī , Abū al A' lā Maulānā, Tafhī m al Qur'ān, vol: 2, p:582

[32]اصلاحی،امین احسن،مولانا،دعوتِ دین اور اس کو بنیادی طریقِ کار،فاران فاؤنڈیشن لاہور،ص:133

Iṣlāhī , Amī n Aḥsan, Maulānā, Dawat-e-Dī n Aur Us Ka Bunyādī Tarī q-e-kār, Farān Foundation, Lahore, p: 133

[33]القشیری، مسلم بن الحجاج،ا الصحیح،داراحیاالتراث العربی،بیروت،ج:3،ص:1350

Al-Qushārī , Muslim bin Al Hujjāj, Dār Ihyā al Turāth Al ' Arabī , Beirūt, vol:3, p: 1350

[34]السجستانی،ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد،المکتبہ،العصریہ صیدابیروت،ج:1،ص:103

Al-Sajistānī , Abū Sā'ūd,Al Maktabah, Al ' Asriyyah Beī rūt, vol:1, p: 103

[35]القراآن،الانعام،68:6

Al-Qur'ān, Al-Anām, 6:68

[36]البخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،دار طوق النجاۃ،1422ھ،ج:8،ص:74

Al Bukhārī , Muḥammad bin Ismāī l, Al Jī mi' Al Ṣaḥī ḥ, vol:8, p74

[37]ابن مقری،ابو بکر محمد بن ابراہیم،المعجم،لابن مقری،مکتبۃ الرشید ریاض،1998،ج:1،ص:362

Ibn Maqrī , Abū Bakr Muḥammad bin Ibrāhī m, Al-Mu'jam Li ibn Maqrī , Maktabah Al Rashī d, Riyadh

[38]البخاری،الجامع الصحیح،ج:1،ص:25

Al Bukhārī , Muḥammad bin Ismāī l, Al Jī mi' Al Ṣaḥī ḥ, vol:1, p25

[39] القرآن،الانعام،108:6

Al-Qur'ān, Al-Anām, 6:108

[40] القرآن،الاسراء، 53:17

Al-Qur'ān, Al-Asrā, 17:53

[41] القرآن،طہ،20:43-44

Al-Qur'ān, Tāhā, 20:43-44

[42] اصلاحی،امین احسن، مولانا،تدبر قران، فاران فاؤنڈیشن،لاہور، 2007، جلد:5،ص:53

Iṣlāhī , Amī n Aḥsan, Maulānā, Tadabur e Qur'ān, vol:5, p:53

[43] القرآن،ال عمران،159:3

Al-Qur'ān, ' Āl-' Imrān 3:159

[44] السجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریہ صیدا، بیروت،ج:4،ص؛261

Al-Sajistānī , Abū Sā'ūd,Al Maktabah, Al ' Asriyyah Beī rūt, vol:4, p:261

[45] القرآن،البقرہ،258:2

Al-Qur'ān, Al Baqarāh, 2:258